جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتے چلیں

امام حسن البنّا شہیدؒ

خان یاسر

امی، ابّی اور دادا کے نام

جن سے میں نے سیکھا کہ
عظیم شخصیات
آسمان سے نہیں اترتیں
بلکہ
زمین پر پیدا ہوتی ہیں،
زمین سے وابستہ ہوتی ہیں؛
اور یہ کہ
ہر بچہ
اگر 'چاہے'
تو 'بڑا' آدمی بن سکتا ہے...

ستم ہے جس کے نغموں سے چمن بیدار ہو جائے
اسی کا آشیانہ شاخ گل پر بار ہو جائے

"سَنُقاتِلُ النّاسَ بِالحُب

ہم محبت سے لوگوں کے (دل) گھائل کریں گے۔[۲۳]"

"ہم میں سے ہر ایک کو ایک مقصد کے لیے جینا ہے۔ ہر وقت اسی کی فکر کرنی چاہیے اور صرف اسی کے خواب دیکھنے چاہیے۔ اپنی آرزوؤں کو بلند رکھیں اور اس چیز کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ کامیابی کا آغاز انسان کے اندر سے ہوتا ہے۔ اس لیے ہمارے سامنے ایک ایسا واضح نصب العین ہونا چاہیے جس کی خاطر ہر صبح کا آغاز کیا جاسکے۔[۲۴]"

"جذبات کی ہیجان انگیزیوں کو عقل کی لگام دیے رکھو اور عقل کی خاموش چنگاریوں کو جذبات کی آگ سے بھڑکاؤ۔ تخیل کو حقیقت کا پابند بناؤ اور حقیقتوں کو اپنے تابناک تخیل کی روشنی میں دیکھو۔ کسی ایک سمت میں اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری سمت سے بالکل غافل ہوجاؤ۔ قوانین فطرت سے ٹکراؤ نہیں انھیں مغلوب کرلو۔ ان سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کے بہاؤ کی سمت کو بدل دو... اور ہر مشکل اور پریشانی کے باوجود اس ربانی فتح و نصرت کی امید رکھو جو تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔[۲۵]"

"حق کے راستے میں فنا ہونا عین بقا ہے۔[۲۶]"

(حسن البنا شہید)

حسن البنّا شہید

ننھا قائد، ننھا داعی : حسن البنا، محمودیہ (مصر) میں اکتوبر 1906 کو پیدا ہوئے۔ دین دارانہ ماحول میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم والد کی نگرانی میں ہوئی۔ پھر **مدرسہ تحفیظ القرآن** میں داخلہ لیا۔ بچپن سے ہی آپ کی ذہانت کے آثار عیاں تھے۔ آپ بچپن میں اوٹ پٹانگ سوالات نہ کرتے بلکہ انتہائی غور وفکر پر مبنی سوالات کرتے مثلاً فرماتے یہ دنیا کیوں بنی ہے؟ سورج کس نے بنایا ہے؟ آسمان پر تارے کیوں نکلتے ہیں؟ کبھی کہتے یہ زندگی ایک کتاب ہے جس کی تفسیر قرآن ہے۔ بعدازاں آپ **مدرسۃ الرشاد الدینیہ** میں داخل ہوئے اور قرآن یاد کرنا شروع کیا۔ مدرسے میں جب تعلیم کا معیار متاثر ہونے لگا تو آپ نے اپنے ابا سے وعدہ کیا کہ وہ آدھا قرآن تو حفظ کر چکے ہیں بقیہ وہ گھر پر ہی حفظ کرلیں گے لیکن انھیں مدرسے سے نکال کر اسکول میں داخل کردیا جائے۔ والد نے اپنے سعادتمند بیٹے کے کہنے پر اطمینان کا اظہار کیا اور انھیں **مدرسۂ اعدادیہ** (مڈل اسکول) میں داخلہ دلا دیا۔

مدرسۂ اعدادیہ کے زمانے میں ان کا دن اسکول کی تعلیم میں گزرتا، اسکول کے بعد سے عشاء تک وہ والد سے گھڑی سازی کا فن سیکھتے، عشاء سے لے کر سونے تک وہ اسکول کے اسباق یاد کرتے اور صبح اٹھ کر فجر سے لے کر اسکول کی روانگی تک قرآن حفظ کرتے۔ ان کے اسکول میں **جمعیت اخلاق ادبیہ** قائم ہوئی تو اس کی صدارت حسن البنا نے کی۔ اس جمعیت کا مقصد طلبہ کی اصلاح، نمازوں کی پابندی اور گناہوں کے کاموں پر جرمانہ عائد کرنا تھا۔ حاصل شدہ رقم کو رفاہی کاموں میں خرچ کیا جاتا۔ اسی زمانے کی بات ہے کہ وہ اسکول سے واپس آرہے تھے کہ انھوں نے دیکھا کہ ساحل نیل پر کسی مزدور نے اپنی کشتی پر ایک عریاں مورتی لٹکا رکھی ہے۔ ننھے حسن البنا سے اخلاق عامہ کی یہ پامالی برداشت نہیں ہوئی۔ وہ سیدھا پولیس تھانے جا پہنچے۔ ایک افسر ان کی غیرت وحمیت سے کافی

متاثر ہوا۔ ان کے ساتھ ساحل پر آیا۔ ملاح کو ڈانٹا۔ اور مورتی اتار پھینکنے کا حکم دیا۔ اس کی تعمیل ہوئی۔ اگلے دن یہی افسر حسن البنا کے اسکول پہنچا اور ان کے ہیڈ ماسٹر سے ملاقات کر کے یہ ساری حکایت انھیں سنائی۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اگلے روز انھوں نے اسمبلی میں سب کو یہ واقعہ سنایا۔ ننھے حسن البنا کی خوب تعریف کی۔

اسی طرح جب حسن البنا نے دیکھا کہ محلے کی مسجد میں فجر کی نماز میں صرف ایک آدھ صف ہی بھر پاتی ہے تو آپ نے طے کیا کہ وہ اذان سے پہلے ہی اٹھیں گے اور محلے میں ہر دروازے اور ہر کھڑکی کو کھٹکھٹا کر لوگوں کو فجر کے لیے اٹھائیں گے۔ اس کام میں کافی مشقت تھی لیکن اس کے نتائج کافی حوصلہ افزا نکلے، محلے کے جوانوں اور بزرگوں نے جب دیکھا کہ دس گیارہ سالہ بچہ انھیں فجر میں اٹھانے کے لیے یہ مشقتیں اٹھا رہا ہے تو ان کے ضمیر نے انھیں خوب ملامت کی۔ دھیرے دھیرے فجر میں لوگوں کی حاضری بڑھنے لگی اور پھر تو پورے علاقے میں فجر کے اہتمام کا ایک مزاج بن گیا۔

جمعیت اخلاق ادبیہ کے ذریعہ طلبہ کی اصلاح کا کام جاری تھا لیکن غیر طلبہ کا کیا ہو؟ چنانچہ حسن البنا نے عام لوگوں کی اصلاح کے لیے **انجمن انسداد محرمات** بنائی جس کا کام یہ تھا کہ وہ جن لوگوں کو کوئی گناہ کا کام کرتے یا عبادات سے غفلت کرتے دیکھتے انھیں تذکیری و اصلاحی خطوط بھیجا کرتے۔

مدرسہ اعدادیہ سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ دمنہور کے ٹیچرز ٹریننگ اسکول میں داخل ہوئے۔ اس ننھے طالب علم کا دل مسجد سے اٹکا رہتا۔ اس نے تصوف کے سلسلہ حصافیہ سے بھی دلچسپی دکھائی اور بڑے بزرگوں کی معیت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ وہ قبرستان جاتے۔ قبور کی زیارت کرتے۔ موت کو یاد کرتے اور روتے۔ کبھی کسی ولی سے ملاقات کا پروگرام بنتا۔ کبھی کبھی پوری رات اعتکاف میں اور ذکر وفکر میں گزار دیتے۔ یہاں بھی حسن البنا نے اصلاحی سرگرمیوں پر دھیان دیا۔ دمنہور میں آپ نے **حصافی فلاحی تنظیم** کے قیام میں اہم رول ادا کیا جس کا مقصد اخلاق کی دعوت اور بدعات کا ازالہ تھا۔ آپ اس تنظیم میں **امر بالمعروف و نہی عن المنکر** کے سکریٹری بھی بنے۔ آپ کم عمر طالب علم تھے۔ لیکن خود کو اکابر کی صحبت میں پاتے۔ استاذ سے بحث و تکرار اور ادب کے دائرے میں رہ کر اختلاف بھی کرتے۔ ہر وقت دلائل سے اپنی بات پیش کرتے اور سچ تک پہنچنے کی کوشش کرتے۔

ان کا اسکول باوجود یہ کہ ایک اسلامی ملک میں تھا لیکن اوقات تدریس، اوقات نماز سے متصادم تھے۔

چنانچہ آپ عصر کی نماز کے لیے استاذ سے اجازت لے کر باہر جاتے اور نماز پڑھتے۔ کچھ اساتذہ اجازت دے دیتے اور کچھ نظم کی پابندی کو ترجیح دیتے۔ ایسے اساتذہ سے جری حسن البنا صاف کہہ دیتے کہ کسی مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی جائز نہیں ہے اور اس موضوع پر ایسی بحث کرتے کہ استاذ کو نماز کی اجازت دینی پڑتی۔ آپ اپنے ساتھیوں کو بھی اس طرح نماز کی تلقین کرتے۔ آپ نے ٹیچرس ٹریننگ اسکول کے زمانے میں قوم کی تحریکات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور متعدد ہڑتالوں اور مظاہروں کو اپنے اسکول میں کامیابی سے انجام دیا۔ ایک مرتبہ اسکول کے پرنسپل اور ڈائریکٹر نے انھیں 18 دسمبر کو یوم سیاہ منانے سے اور ہڑتال کرنے سے سخت الفاظ میں منع کیا۔ چنانچہ حسن البنا اور دیگر طلبہ قائدین نے یہ تدبیر کی کہ تمام طلبہ کو آمادہ کرلیا کہ وہ اسکول نہیں آئیں گے اور یوم سیاہ منائیں گے۔ لیکن خود اسکول پہنچ گئے۔ یوں ہڑتال بھی کامیاب ہوگئی اور طلبہ لیڈرس کے خلاف کوئی ایکشن بھی نہیں لیا جاسکا۔ اسی آخری امتحان کے دوران ایک حادثہ پیش آیا۔ حسن البنا سے حسد کرنے والے ایک طالب علم نے حسن البنا کو اول آنے سے روکنے کے لیے سوتے میں چہرے اور گردن پر تیزاب جیسا کوئی زہریلا مادہ پھینک دیا، اللہ کا شکر ہوا کہ حسن البنا نے فوراً پانی سے منہ کو صاف کرلیا اور اس کا زیادہ اثر نہ ہوا۔ لیکن اس شخص کو تمام ساتھیوں نے ہوسٹل سے نکال دیا اور پولیس میں رپورٹ کرانی چاہی۔ حسن البنا نے درگزر سے کام لیا اور اپنے ایک بھائی کے خلاف پولیس کو رپورٹ کرنے سے انکار کردیا۔

ٹیچرز ٹریننگ کورس کے فائنل امتحان میں حسن البنا نے اپنے اسکول میں اول اور پورے مصر میں پانچواں مقام حاصل کیا۔ اس کے بعد انھیں ضلعی بورڈ کی طرف سے معلمی کے فرائض سونپے گئے لیکن انھوں نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کو ترجیح دی۔ اور 1923 میں قاہرہ کے دارالعلوم (موجودہ قاہرہ یونیورسٹی) میں داخلہ لے لیا۔ اس وقت وہ صرف سولہ سال تھے، یہ عمر مقررہ Age limit سے کافی کم تھی لیکن ان کی صلاحیتوں اور مطالعے کو دیکھ کر انھیں داخلہ دے دیا گیا۔

نئے روڈیے، نئی راھیں: اس زمانے میں قاہرہ تیزی سے اپنی اسلامی شناخت کھوتا جارہا تھا، مغربی تہذیب کا سیلاب اخلاقی قدروں کے لیے موت کا پیغام بن کر آیا تھا۔ خصوصاً نوجوان عریانیت، فحاشی اور مغربی تہذیب کے جال میں تیزی سے پھنستے چلے جارہے تھے۔ حسن البنا حالات کو دیکھنے، اور آنکھیں بند کرلینے یا زمانے کو کوسنے پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ وہ حالات کو بدلنے کے لیے اپنی سی

کوششیں کرنا جانتے تھے خواہ یہ کوششیں شروعات میں کتنی ہی ابتدائی اور کتنی ہی حقیر کیوں نہ معلوم ہوں۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ آپ نے کئی اصلاحی پروگرام بنائے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور انھیں اصلاحی وعظ دینے پر آمادہ کیا، لیکن تخلیقیت یہ دکھائی کہ یہ مواعظ مسجدوں میں نہیں بلکہ قہوہ خانوں میں ہوں گے۔ یہ بات نئی ہوگی اور دلچسپی پیدا کرنے کا باعث ہوگی۔ ویسے بھی مسجد میں وعظ کرنے والے بہت ہیں۔ لیکن جو مسجد ہی نہیں آتا اس کی اصلاح کیسے کی جائے؟ حسن البنا کے دوست واحباب اس عجیب وغریب تجویز کو روبہ عمل لانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس تجربے کی ناکامی ان پر 'عیاں'، اور راہ کی دشواریاں ان پر 'واضح' تھیں۔ کبھی انھوں نے کہا کہ قہوہ خانہ مزہ کرنے کی جگہ ہے یہاں وعظ کون سنے گا اور کبھی کہا کہ قہوہ خانوں کے مالک اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ حسن البنا بیجا بحث کے عادی نہیں تھے انھوں نے کہا کہ کیوں نہ ایک تجربہ کرلیا جائے، اگر کامیاب رہا تو سبحان اللہ، ناکام ہوا تو کوئی دوسری ترکیب سوچیں گے۔ اس معقول بات کو سب نے مان لیا اور نکل پڑے۔ پہلی رات بیس قہوہ خانوں میں پانچ سے دس منٹ کی تذکیریں کیں اور یہ تجربہ خاصا کامیاب رہا۔ پھر تو حسن البنا اور ان کے چھوٹے سے داعی گروہ نے اس کو اپنا معمول بنالیا۔ لوگ دلچسپی سے ان مواعظ کو سننے لگے، بلکہ ان مواعظ کو سننے کے لیے قہوہ خانوں میں بھیڑ جمع ہونے لگی۔ پہلے پہل قہوہ خانوں کے مالکوں نے اس کوشش کو تشویش کی نظر سے دیکھا پھر داعیوں کو خود اپنے ہاں بلانے لگے۔ یوں اس طبقے میں دھیرے دھیرے دینی بیداری پیدا ہونے لگی۔ وعظ کبھی طویل نہ ہونے پاتا البتہ مقرر سامعین کے سوالات کے تشفی بخش جوابات دینے کی کوشش کرتا اور یوں دھیرے دھیرے دعوت پھیلنے لگی۔

ان تمام انفرادی کوششوں کے باوجود حسن البنا کو لگتا تھا کہ حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا! آپ اصلاح کی کوئی پائیدار شکل چاہتے تھے۔ چنانچہ قاہرہ کے ایک بہت بڑے شیخ الدجوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے قاہرہ میں پھیلتی مغربی تہذیب اور عریانیت کا تذکرہ کیا۔ اخلاق وکردار کے گرتے معیار کا تذکرہ کیا اور پوچھا کہ اصلاح کی کیا تدابیر اختیار کی جائیں۔ شیخ نے اس قسم کا تاثر دیا کہ اس مغربی سیلاب کے آگے بند نہیں باندھا جاسکتا اور فتنے کے اس دور میں ایک مومن کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس طوفان سے بچائے رکھے اور بس۔ حسن البنا کو یہ بات ہضم نہیں ہوئی، انھوں نے شیخ دجوی سے اختلاف کیا اور ان کا تب تک پیچھا کرتے رہے جب تک وہ اصلاح کے لیے کسی اجتماعی

کوشش پر راضی نہ ہوئے۔ بعد میں انہی اجتماعی کوششوں نے جمعیت شبان المسلمین کی شکل اختیار کرلی۔

قاہرہ کے دارالعلوم میں حسن البنا نے تین سالہ کورس پورا کیا۔ آخری سال جب طلبہ سے 'میری سب سے بڑی تمنا کیا ہے' پر مضمون لکھنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے ایک طویل جواب لکھا جس میں فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ میں معلم اور رہنما بن جاؤں۔ دن کا وقت اور سال کا بیشتر حصہ بچوں کی تعلیم و تدریس میں گزاروں اور رات کو ان کے والدین کو یہ سکھاؤں کہ دین کا نصب العین کیا ہے۔ ان کی سعادت کے سرچشمے کہاں ہیں اور ان کی خوشیوں کا راز کس بات میں مضمر ہے۔ گاہ خطابت اور گفتگو کے ذریعہ سے، گاہ تالیف وتحریر کے رنگ میں اور گاہ گردش وسیاحت اختیار کر کے میں دن رات اس کام میں لگا رہوں۔'' یہ خواہش صرف خواہش نہیں رہی، تاریخ گواہ ہے کہ اس کے نبھانے میں انھوں نے اپنی زندگی لگا دی۔

جولائی 1927 میں وہ دارالعلوم سے فارغ ہوئے۔ بہترین نتیجے کو دیکھتے ہوئے مصر کی وزارتِ معارف نے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ بھیجنے کی پیشکش کی لیکن حسن البنا نے انکار کر دیا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد بھی اپنے وقت کا ایک حصہ وہ مطالعے پر صرف کرتے، دوسرا حصہ دعوت وتبلیغ میں لگاتے اور گھڑی سازی کے کام میں والد محترم کا ہاتھ بٹاتے۔ 1927 میں آپ بطور ٹیچر اسماعیلیہ میں منتقل ہو گئے اور یہاں کے مدرسہ امیریہ میں معلمی کے فرائض انجام دینے لگے۔ اس وقت ان کی عمر اکیس سال تھی۔

آپ نے اپنے نئے وطن کا بغور مطالعہ کیا کہ ایک داعی کو دعوتی حکمتِ عملی ماحول کے بغور مطالعے کے بعد اپنانی چاہیے۔ انھوں نے جلد ہی اندازہ لگا لیا کہ اسماعیلیہ کے مسلکی اختلافات جو ذرا سی چنگاری پر شعلہ بن کر بھڑک اٹھتے ہیں، دعوت کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ آپ نے اسماعیلیہ میں چار گروہوں کا انتخاب کیا ایک علماء، دوسرے مشائخِ طریقت تیسرے اعیان شہر اور چوتھے کلب؛ ان چاروں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لیے آپ نے الگ الگ حکمت عملی اختیار کی۔ اسی زمانے میں آپ نے مجلہ الفتح کے ذریعہ اپنے خیالات کی ترسیل شروع کی۔ انھوں نے اپنے پیغام کے لیے ایک بار پھر قہوہ خانوں کی طرف رجوع کیا۔ لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا کہ ان کی باتیں اصولی ہوں جن

سے کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ ویسے بھی طعنے دینا یا کسی فرقے کو اپنے طنز کا نشانہ بنانا ان کا شیوہ نہ تھا۔ حسن البنا اپنی گفتگو کو سلیس اور پرکشش رکھتے اور ہر حال میں دس پندرہ منٹ میں ختم کر دیتے۔ ان مباحث کا خاصا اثر ہوا۔ بہت لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا ہوئی اور وہ دین کے احکام سیکھنے کے لیے ان کے پاس آئے لیکن شرپسند عناصر بھی کم نہیں تھے۔ ان شرپسند عناصر نے آپ کا مسلک جاننے کے لیے بارہا اختلافی مسائل چھیڑے لیکن ہر بار آپ نے فتنہ آرائی سے بچتے ہوئے کہا کہ ہم سب کا مطمح نظر معرفت حق ہونا چاہیے نہ کہ کسی مسلک کی حمایت۔ کئی بار آپ نے کمال عاجزی سے کہا کہ بھئی میں کوئی عالم ہوں نہ مفتی۔ قرآن وحدیث کی کچھ باتیں جانتا ہوں اور جو کچھ سمجھتا ہوں اسے لوگوں کے سامنے احسن طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ حسن البنا فروعات میں الجھ کر اصولوں سے انحراف کے خلاف تھے اور اسی بات کی تلقین کرتے تھے۔

اسماعیلیہ کے کسی قہوہ خانے میں ایک دن آپ نے گفتگو کو طول دیا اور حقہ کی چلم میں ڈالنے کے لیے تیار دہکتے ہوئے چند کوئلوں کو قہوہ خانے میں بیٹھے لوگوں کی طرف اچھال دیا۔ لوگ ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ آپ نے جوش سے فرمایا: ہم ان حقیر دہکتے ہوئے کوئلوں سے تو ڈرتے ہیں لیکن دوزخ کے دہکتے ہوئے شعلوں کو بھول جاتے ہیں۔ وعظ ختم کر کے آپ گھر آئے تو چھ مزدور پیشہ افراد آپ کے پیچھے چلتے ہوئے آئے۔ انھوں نے حسن البنا سے کہا کہ وہ ان کی کئی تقاریر سن چکے ہیں اور اسلام ان پر جو ذمہ داریاں عائد کرتا ہے اب اس سے واقف ہو چکے ہیں لیکن ان ذمہ داریوں کو ادا کیسے کریں اس کے لیے فکر مند ہیں۔ انھوں نے دین کا کام کرنے کے لیے جینے مرنے کی قسمیں کھائیں اور حسن البنا سے رہنمائی کے طالب ہوئے۔ ان چھ باہمت لوگوں میں ایک بڑھئی، ایک حجام، ایک دھوبی، ایک ڈرائیور، ایک مالی، اور ایک میکینک شامل تھے، اس گروپ کو حسن البنا نے اخوان المسلمون کا نام دیا اور یوں وہ تحریک، جو 'شرق اوسط' کا نقشہ بدل دینے والی تھی، مارچ 1928 میں وجود میں آئی۔

اخوان المسلمون کا قافلہ سالار: حسن البنا نے اس طرح قریب آنے والے لوگوں کے لیے ایک کمرہ کرائے پر لے کر ان کی تربیت کا آغاز کیا۔ اخوان دن میں اپنی محنت مزدوری کرتے اور رات میں اس اسلامک سینٹر میں جمع ہو جاتے۔ دن کو معلمی کے فرائض انجام دینے کے بعد امام حسن البنا بھی پابندی سے راتوں کو اس اسلامک سینٹر میں لوگوں کو قرآن، حدیث، فقہ اور دین کے بنیادی مسائل

کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ 1928 کے اختتام تک اس تربیتی مدرسے میں اخوان کی تعداد ستر سے متجاوز ہوگئی۔ خواتین کی تربیت کے لیے ایک علاحدہ مدرسہ بھی بنایا گیا۔ 26 اپریل 1933 کو خواتین کی شاخ اخوات المسلمات بنائی گئی۔

آپ کی یہ سرگرمیاں حکام اور دین کو ایک مخصوص طبقے کی جائداد سمجھنے والے علماء کے لیے سخت تشویش کا باعث تھیں۔ اخوان کو طرح طرح کے فتنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مسجد و مدرسے کے تعلق سے افواہیں اڑائی گئیں۔ حسن البنا پر کمیونسٹ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ بار بار اعلیٰ افسران جانچ کے لیے اس مدرسے پہنچ جاتے جہاں حسن البنا معلمی کے فرائض انجام دیتے تھے اور پرنسپل کو ان پر خصوصی نظر رکھنے کی ہدایت کرتے۔ ایسی ہی ایک جانچ کے دوران امام حسن البنا نے انسپکٹر جنرل کو شام کے وقت اخوان کے مدرسے میں بلایا۔ اس انسپکٹر نے اخوان کے مدرسے میں جب بڑھئی، مالی، دھوبی، کسان اور مزدوروں کو نہ صرف تعلیم وتربیت پاتے بلکہ اونچے اونچے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے دیکھا تو اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت اخوان میں شمولیت اختیار کرلی۔

ایک مرتبہ ان کی تقریر کو غلط معنی پہنا کر رسولؐ کی شان میں گستاخی کرنے کا الزام لگایا گیا۔ اخوان نے جب اس کا جواب دینا چاہا تو خود امام حسن البنا نے منع کردیا اور اس موقع کو بھی دعوت وتبلیغ کے لیے استعمال کرتے ہوئے عظمت رسولؐ پر ایک اور تقریر کا اعلان کروادیا۔ مفسدین نے ان کا جو منفی پرچار کررکھا تھا اس کی وجہ سے بہت سارے لوگ امام حسن البنا کو سننے کے لیے جمع ہوگئے اور یوں ان کے خیالات اور دعوت سے براہ راست واقف ہوئے اور مفسدوں کے عزائم دھرے کے دھرے رہ گئے۔ الغرض صبر، ضبطِ نفس اور اچھے کردار کے ہتھیاروں سے لیس ہوکر امام حسن البنا نے دعوت کے میدان میں چومکھی لڑائی لڑی۔ ان کی شخصیت میں غضب کی تاثیر، بڑی کشش اور ایک عجیب وغریب قوت تسخیر تھی چنانچہ کسی مصری اخبار نے ایک بار بطور طنز لکھا تھا جو دراصل ان کی انتہائی ہردلعزیزی کا اعتراف تھا کہ ''اگر شیخ حسن البنا کو اسکندریہ میں چھینک آئے تو اسوان میں یرحمک اللہ کی صدائیں سنی جائیں۔'' آپ کی مقبولیت اور ہردلعزیزی کا ایک یہ راز یہ بھی تھا کہ آپ ملامت بہت کم کرتے تھے اور کوشش اس بات کی کرتے تھے کہ ہر شخص کے ساتھ اس کے خیر کے مطابق معاملہ کریں اور اس طرح اس کے شر کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ ایک شخص جب ان کی دعوت سے متاثر ہوکر ان کے پاس

آیا اور صاف صاف بتا دیا کہ اب تک اس کا پیشہ چوری تھا تو امام نے کھڑے ہو کر اسے گلے لگا لیا اور کہا: مرحبا ہماری تحریک میں معاشرے کے ہر طبقے کے لوگ ہیں آج تک کوئی چور نہیں تھا، آپ کی تو ہمیں بہت ضرورت تھی۔ رزق حلال کے لیے تو آپ کوئی بندوبست کر لیجیے البتہ تحریکی ذمہ داری آپ پر یہ ہے کہ برطانوی استعمار کے جتنے خفیہ اڈے اور آفسیں ہیں ان پر آپ اس طرح نظر رکھیے کہ انھیں اس کی خبر نہ ہو۔

امام حسن البنا نے صرف ایک اصلاحی جماعت نہیں بنائی بلکہ بچوں کے تربیتی مراکز، مدارس اور تعلیم بالغان کے سینٹرز قائم کیے۔ اقتصادی میدان میں اسلامی معاملات کی کمپنی، عرب کمپنی برائے معدنیات وکان کنی، اخوان المسلمون کمپنی برائے ملبوسات، اسلامک پرنٹنگ پریس، کمپنی برائے اسلامی سرمایہ کاری، کمپنی برائے طباعت وصحافت، ایڈورٹائزنگ کمپنی، تجارت اور انجینئرنگ امور کی کمپنی اور کئی بڑی کمپنیاں قائم کیں۔ یہ تمام کمپنیاں حصص اور بلاسودی شراکت پر مبنی تھیں جن کا اصل زر پانچ لاکھ مصری پونڈ تک پہنچتا تھا۔ اسی طرح انھوں نے کئی مساجد قائم کیں اور فلاح وبہبود کے مراکز اور اسپتال قائم کیے۔

1933 میں اخوان المسلمون کی بڑھتی مقبولیت اور دائرۂ اثر سے بدحواس ہو کر حکومت نے امام حسن البنا کا تبادلہ اسماعیلیہ سے قاہرہ کر دیا۔ لیکن تب تک تحریک اسماعیلیہ میں جڑ پکڑ چکی تھی حسن البنا کے چلے جانے سے اس دریا کے سوتے خشک نہیں ہوئے البتہ قاہرہ میں تحریک نئی اونچائیوں کو چھونے لگی۔ پھر قاہرہ کے مرکزی شہر سے تحریک کی نہریں مصر کے دور دراز علاقوں میں جاری ہوئیں اور پورے مصر میں اخوان المسلمون کا ڈنکا بجنے لگا۔

اسلام کے کلی وحرکی پیغام کے ساتھ آپ نے سات ہزار سے زائد مصری شہروں اور دیہاتوں کا سفر کیا، اس حال میں کہ آپ تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے اور آپ کو صرف جمعہ کے دن چھٹی ملتی تھی۔ آپ نے اپنا معمول بنا لیا تھا کہ مدرسے سے جمعرات کو دعوتی واصلاحی سفر پر نکل جاتے، پھر ہر پڑاؤ پر، ہر رسمی وغیر رسمی نشست میں اپنا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتے۔ کسی علاقے میں تذکیر ہوتی، کہیں قرآن کا درس، کہیں کسی موضوع پر خطاب، کہیں جمعہ کا خطبہ، کہیں اخوان کی کسی شاخ کا قیام، کہیں کسی قائم شدہ شاخ کے مسائل کا حل اور پھر سنیچر کی صبح دوبارہ مدرسے واپسی۔ اس طرح آپ کے شب وروز

بسر ہوتے۔ ان تحریکی اسفار کے دوران بھی سنن ونوافل، ذکر واذکار اور تہجد کا خصوصی اہتمام کرتے۔ سونے اور کھانے کا کچھ اہتمام نہ تھا۔ جتنا وقت میسر آیا سو لیے، جو موٹا جھوٹا مل گیا کھالیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کڑی محنت اور جدوجہد کے باوجود چاق و چوبند رہتے تھے۔ اخوان کے پروگراموں میں ورزش کو ایک بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ آپ ایک قوی مومن تھے اور اپنی جماعت کو قوی مومنوں کی جماعت بنانا چاہتے تھے۔

انھوں نے دو دفعہ انتخابات میں حصہ لیا۔ پہلی بار 1942 میں انھیں انگریزوں کے دباؤ پر فتنہ وفساد کے خدشے سے اپنا پرچۂ نامزدگی واپس لینا پڑا۔ دوسری بار ـ194445 میں آپ نے الیکشن میں حصہ لیا اور باوجود اس کے کہ دشمنوں نے انھیں ہرانے کے لیے ہر ہتھکنڈے کا استعمال کرڈالا آپ الیکشن جیت گئے۔ آپ کے الیکشن جیتنے پر نتائج کو کالعدم قرار دیا گیا، دوبارہ الیکشن ہوئے اور اس بار پہلے سے زیادہ کھل کر دھاندلی ہوئی اور یوں آپ کو الیکشن میں 'ہرا' دیا گیا۔

اخوان المسلمون کا کام اب اس حد تک پھیل چکا تھا کہ امام حسن البنا کے لیے معلمی اور تحریک کو ساتھ ساتھ چلانا ناممکن ہوگیا چنانچہ 1946 میں انھوں نے سرکاری نوکری چھوڑ دی اور ہمہ تن تحریک کے لیے وقف ہوگئے۔ یوں آپ نے کل 19 سال بطور ٹیچر خدمات انجام دیں اور جب استعفیٰ دیا تو گریڈ پانچ تک ترقی پاچکے تھے۔

1944 میں آپ نے حج کیا اور عالم اسلام کے مختلف لیڈروں سے تعلقات استوار کیے۔ آپ کی نظر عالمگیر تھی اور اسلامی اخوت کا جذبہ دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔ مراکش پر فرانس کے قبضے کے خلاف احتجاج ہو یا فلسطینی مجاہدین کے لیے چندے کا انتظام آپ کی قیادت میں اخوان ہر کام میں آگے آگے رہتے۔ شام، لبنان اور پاکستان کی آزادی پر آپ نے خصوصی مبارکباد بھجوائی؛ عظیم مجاہد عبدالکریم خطابی کی رہائی کا پرزور مطالبہ کیا جو تسلیم کیا گیا؛ انڈونیشیا پر ہالینڈ کے قبضے کی شدید مذمت کی؛ شاہ اردن سے برطانیہ کے معاہدوں کو منسوخ کرنے کی درخواست کی اور اسی قبیل کی درخواست عراقی حکومت کی خدمت میں بھی پیش کی۔

آپ کا سب سے بڑا بین الاقوامی اقدام جہادِ فلسطین میں شرکت کا فیصلہ تھا۔ 1948 کے جہادِ فلسطین میں مصر کے اخوانی مجاہدین نے اسرائیل کا پتہ پانی کردیا۔ جہاں بڑے بڑے تربیت یافتہ دستوں کے

قدم پیچھے ہٹ جاتے تھے وہاں اخوان کے نوجوان تکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے پہنچتے اور کشتوں کے پشتے لگا دیتے تھے۔ اسی جہاد کے دوران امام حسن البنا کے بیٹے کو سخت بخار تھا اور حالات ایسے تھے کہ آپ کو دن بھر عسکری دستوں کے کمانڈروں کے ساتھ میٹنگ میں مصروف رہنا پڑتا تھا۔ ایسی ہی ایک میٹنگ جاری تھی کہ ایک شخص تیزی سے ان کے پاس آیا اور انھیں بیٹے کے انتقال کی خبر دی۔ آپ نے اس فرد کو کفن دفن کے تعلق سے ہدایات دیں اور میٹنگ جاری رکھی۔ گفتگو کے بعد ساتھیوں کی اجازت سے اندر گئے، گھر والوں کو دلاسہ دیا اور واپس آئے۔ اگلے دن یوں ہی صبر وسکون کے ساتھ بیٹے کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے مگر جہاد کی تیاریوں میں ذرہ برابر فرق نہ آنے دیا۔

اس دوران تحریک اخوان المسلمون نے مصر کی سرحدوں سے نکل کر جزیرۃ العرب میں اپنے قدم گاڑ دیے۔ تحریک کی اس بڑھتی ہوئی مقبولیت اور اس کے سماج پر ہونے والے اثرات کو دیکھ کر باطل طاقتوں نے اسے ایک بڑھتے ہوئے سیاسی، سماجی وثقافتی چیلنج کے طور پر لیا اور اس کی راہوں میں بڑے بڑے روڑے اٹکانے کے منصوبے ایوانوں میں بننے لگے۔

قلمی شہہ پارے: امام حسن البنا کوئی ادبی شخصیت نہیں تھے۔ عام الفاظ میں وہ پریکٹکل آدمی تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو پورے طور پر اخوان کے کارکنان اور ان کی ضروریات کی تکمیل کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا ''آپ کتابیں کیوں نہیں لکھتے؟'' تو انھوں نے جواب دیا ''میں انسان لکھا کرتا ہوں۔'' لیکن باوجود اپنی گوناگوں پیشہ ورانہ اور تحریکی مصروفیات کے امام حسن البنا نے ایک بیش بہا تحریری ذخیرہ اپنے رسائل اور مقالوں کی شکل میں چھوڑا ہے۔ ان میں سے کچھ رسائل کا ترجمہ **مجاہد کی اذاں** کے عنوان سے اردو میں بھی کیا جا چکا ہے۔ مزید تحریریں بھی شائع ہو رہی ہیں۔

ایک مدت تک مجلہ الفتح میں پابندی سے امام حسن البنا کی نگارشات شائع ہوتی رہیں۔ کچھ دنوں تک آپ نے محمد رشید رضا کی وفات کے بعد ان کے رسالے **المنار** کی ادارت کی۔ بعد ازاں آپ نے روز نامہ **اخوان المسلمون** جاری کیا اور اس میں پابندی سے لکھتے رہے۔ اس کے علاوہ انضال، المباحث، التعارف اور الشہاب جیسے رسالے بھی خریدے، ان کی اشاعت کی اور اپنی تحریروں سے رہنمائی کا سامان بھی بہم پہنچایا۔ آپ کے موضوعات متنوع لیکن عموماً تذکیری نوعیت کے حامل ہوتے

تھے۔ اپنے مضامین میں آپ اسلام کو ایک زندہ مذہب کے طور پر پیش کرتے جو دنیا کے تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ آپ دعوت و اصلاح پر زور دیتے اور اسلام کے عملی نفاذ کے لیے لوگوں کو جدوجہد پر اکساتے۔ قرآن آپ کی تحریروں کا خصوصی موضوع رہا اور تقریباً پندرہ سال تک مختلف رسائل و جرائد میں آپ قرآنی آیات کی تفسیر کرتے رہے؛ ان کے یہ تفسیری خزینے تین ضخیم جلدوں میں شائع بھی ہو چکے ہیں۔

شہادت: جیسا کہ دور اندیش امام حسن البناؒ کی غائر نگاہوں نے پہلے ہی حالات کا اندازہ کر لیا تھا، اخوان پر باطل کا شکنجہ کسنے لگا۔ مصائب و آلام کا سیلِ رواں امڈ پڑا۔ انھوں نے اخوان سے خطاب کرتے وقت بارہا اس بات کا ذکر کیا تھا کہ: باطل ابھی تم سے اور تمھارے پیغام سے ناآشنا ہے؛ جس دن اس کے سامنے یہ حقیقت کھلے گی کہ تم دراصل چاہتے کیا ہو، تمھارے لیے ابتلا و آزمائش کی گھڑیاں شروع ہو جائیں گی کہ دعوت حق کے علم برداروں کی راہ میں اس منزل کا آنا ناگزیر ہے۔

فلسطین کے جہاد میں اخوان مجاہدین کے کارناموں نے حکومت کی نیندیں اڑا دیں، بیرونی طاقتوں خصوصاً برطانیہ کا دباؤ بھی شامل حال تھا۔ آزمائشوں کی چکی حرکت میں آ گئی اور اخوان اس میں بے دردی سے پیسے جانے لگے لیکن یہ آزمائشیں پھر چاہے جیل کی سلاخوں اور تختہ دار کی صورت میں ہوں یا مال و دولت اور عہدہ و منصب کی شکل میں، ہر آزمائش میں اخوان اور ان کے عظیم قائد نے اپنے ایمان اور عزم و حوصلہ کے ناقابل تسخیر ہونے کا ثبوت بہم پہنچایا۔ 1948 میں اخوان پر حکومت کی طرف سے پابندی لگا دی گئی اخوان سے منسلک لوگوں کو ہزاروں کی تعداد میں تعذیب خانوں (جیل) میں قید کر دیا گیا۔ لیکن حسن البنا کو گرفتار نہیں کیا گیا کہ ان کے لیے تو باطل نے کچھ اور ہی منصوبے بنائے تھے۔ ان کا لائسنس والا پستول ضبط کر لیا گیا، انھیں دھوکے سے 12 فروری 1949 کو قاہرہ کی سب سے بڑی شاہراہ پر بلایا گیا اور وہاں گولیاں مار مار کر شہید کر دیا گیا۔ امام حسن البنا، شہید ہو کر حیات جاودانی پا گئے۔ قاتل نے ان کے جسم کو سات گولیوں سے چھلنی کیا لیکن اس حالت میں بھی وہ قاتل کو پکڑنے کے لیے لپکے، گاڑی نمبر نوٹ کیا اور لوگوں کو بتایا، ایمبولنس میں خود سوار ہوئے۔ لیکن اسپتال میں پہلے سے ہدایات بھیجی جا چکی تھیں۔ امام حسن البنا کے اسپتال پہنچتے ہی اسپتال کا محاصرہ کر لیا گیا۔ کسی کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔ ڈاکٹروں کو ان کا علاج کرنے سے منع کر دیا گیا... جس تحریک کو آپ نے

اپنے اشکوں اور پسینے سے سینچا تھا اب اس کی اپنے خون سے آبیاری بھی کر گزرے اور شہادت کا درجہ حاصل کرلیا۔شہادت کے وقت آپ کی عمر صرف 43 برس تھی۔ظالموں نے بوڑھے باپ کے علاوہ کسی کو لاش کے قریب پھٹکنے کی اجازت بھی نہیں دی۔ان کے والد نے اکیلے نماز جنازہ ادا کی اور گھر کی مستورات نے انھیں قبرستان پہنچایا۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن کیا باطل اپنی سازش میں کامیاب رہا؟ کیا امام حسن البنا شہیدؒ کے پیغام اوران کی تحریک کومٹا دیا گیا؟ نہیں بلکہ یہ ہوا کہ شہید قائد کا عزم وولولہ پوری تحریک میں سرایت کرگیا۔باطل کی آہنی سلاخیں، اخوان کے آہنی عزائم سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں۔ باطل کے تختۂ دار، اخوان کے پیغام کوحیات ابدی بخش گئے۔امام حسن البنا کی شہادت سے لے کر آج تک اخوان نے تاریخ دعوت و جہاد میں کئی نئے ابواب کا اضافہ کیا ہے۔آپ کی شہادت کے ٹھیک باسٹھ سال بعد جب مصر آمریت کے چنگل سے نکلا توعوام نے ملک کی قیادت کے لیے اسی شہیدؒ کی برپا کی ہوئی تحریک کا انتخاب کیا۔سچ فرمایا تھا امام حسن البنا شہیدؒ نے،''**وہ امت جو جینے کا عزم کرلے اس کے مٹنے کا کیا سوال ! اس سے تو موت بھی دور بھاگتی ھے۔**''اللہ تعالیٰ امام حسن البنا شہید کوان کے صبر، استقلال اور قربانیوں کا اپنے شایانِ شان بدلہ عنایت فرمائے اور انھیں فردوس بریں میں انبیاء،شہداء اور صالحین کی معیت عطا فرمائے۔ آمین!